Al-Aẕvā الاضواء
ISSN 2415-0444; E- ISSN 1995-7904
Volume 50, Issue, 33, 2019
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan.

کاغذی کرنسی کے قرض لین دین کا مسئلہ، مولانا گوہررحمان کی نظر میں

Mawlānā Gawhar Rehmān’s Viewpoint about the Issue of Paper currency

سلطان محمد *
محمدعبدالعلی اچکزئی **

Abstract
Moulana Gouhar Rehman was born in Chamrasi (Mansehra) KPK in 1936. He has published many research papers about Islamic Banking, Insurance and Currency notes. He did not believe in partisan differences and sectarianism. He was a great caller of unity of Muslim Ummah. In 1991 editor of "Tarjuman-Ul-Quran Lahore" sent Moulana Gohar Rehman an article by Maulana Muhammad Taseen regarding credit trading of currency notes and asked his point of view about it. Moulana wrote an article in reply in June 1991. Thereupon Khurram Saleem raised some objections about it and requested him to answer his questions. Moulana answered his questions in the light of Quran, Sunnah and Sayings of Theologians. Through all this debate Moulana Proved that return of loan is necessary in the same condition and relating return of loan with gold, silver and foreign currency is a type of Riba. In the same way present currency note is real commodity and persisting mode of trade and is a replacement for gold and silver. It can also be used for barter means equality in weight and quantity, equality of price and value is unreliable. He profoundly explained credit trading of currency notes and it's religious status. He answered the questions raised by Moulana Taseen, Khurram Saleem and Khalid Saifullah Rahmani in this regard.

Key words: Mawlānā Gawhar Rehmān, Paper currency, Islamic finance.

تمہید:

مولاناگوہررحمان ۱۹۳۶ءمیں چمراسی ضلع مانسہرہ میں مولانا شریف اللہ کے گھرمیں پیدا ہوئے۔ ان کے والد علاقے کے معروف عالم دین تھے۔ مولانا گوہر رحمان نے ۱۹۵۱ءمیں درس نظامی کی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد

* پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ، پاکستان
** چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ وڈین فیکلٹی آف ایجوکیشن اینڈ ہیومینیٹیز، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ، پاکستان

انہوں نے ۱۵ سال تک پنجاب اور صوبہ خیبرپختونخوا کے مختلف مدارس میں درس نظامی کی تدریس کی۔ انہوں نے ۱۹۶۳ءمیں مردان میں تفہیم القرآن کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور زندگی بھر اسی کی خدمت میں کمربستہ رہے۔وہ دو بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انہوں نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں نفاذ شریعت کے لئے شریعت بل پیش کئے اور سود کے خاتمے کے لئے سپریم کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت کی معاونت کے لئے عدالت میں پیش ہوکر سودکے خلاف تاریخی عدالتی بیانات ریکارڈ کرائے جس کی بنیاد پر عدالتوں نے ۱۹۹۱ءمیں سود کو کالعدم قرار دیا۔

مولانا گوہررحمان ایک محقق عالم دین تھے۔ وہ علوم دینیہ کے جامع تھے۔ وہ بیک وقت مفسر قرآن، شارح حدیث اور فقہی علوم میں گہری دسترس رکھتے تھے۔تفسیر،علوم القرآن ،حدیث اور فقہ میں ان کی وقیع تصنیفات ان کی فقاہت اور علمی مہارت کے زندہ ثبوت ہیں۔ اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلام کے معاشی نظام پر بھی گرانقدر تحقیقی کتب لکھے ہینجن میں اسلامی بینکاری نظام،اسلامی تکافل اور کرنسی نوٹوں کے مسائل شامل ہیں۔ وہ ایک خوددار اور درویش صفت عالم باعمل تھے۔ وہ ایک شجاع اور نڈر انسان تھے۔وہ تحزّب اور فرقہ پرستی سے بالاتر تھے اور امت مسلمہ کے اتحاد کے داعی تھے۔

کرنسی مسئلے کا پس منظر:

۱۹۹۱ءمیں ترجمان القرآن لاہور کے مدیر نے کراچی کے مولاطا محمدتاسین کی کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین سے متعلق ایک تحریر مولانا گوہر رحمان کوارسال کی اور اس پر ان کی رائے بھی طلب کی۔ جس کے جواب میں مولانا نے ایک مفصل تحریر ارسا ل کی جو ”ترجمان القران لاہور“ کے جون ۱۹۹۹ءکے شمارے میں شائع بھی ہوئی۔ جس پر کراچی کے خرم سلیم چھتری والے نے کچھ سوالات اٹھائے اور مولانا موصوف سے ان کے جوابات دینے کی درخواست کی، اپنے سوالات میں انہوں نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے کا بھی حوالہ دیا۔ ان کی درخواست پر مولانا موصوف نے قرآن وسنت اور فقہاءکے اقوال کی روشنی میں ان کے سوالات واشکالات کا مفصل جواب دیا۔

اس پوری بحث کے ذریعے مولاناموصوف نے قرآن وسنت اور جدیدوقدیم فقہاءکے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا کہ قرض کی واپسی بالمثل ضروری ہے اور قرض کی واپسی کو سونے چاندی یا غیرملکی کرنسی کے ساتھ جوڑنے سے سود لازم آتا ہے۔اسی طرح موجودہ کرنسی نوٹ ہرلحاظ سے زرخلقی وثمن عرفی ہے اور سونے چاندی کے قائم مقام ہیں اور مال مثلی بھی ہیں۔انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ مثلیت سے مراد مقدار اور وزن میں برابری ہے۔ قیمت اور مالیت میں برابری قابل اعتبار نہیں ہے۔ مولاناموصوف نے

کرنسی نوٹونکے قرض لین دین اور اس کے شرعی حیثیت کے تعین سے متعلق تمام پہلوؤں کو واضح کیا اور اس مسئلے پر مولاناطاسین، خرم سلیم چھتری والا اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے اعتراضات واشکالات کے جوابات دے کرمسئلے کی تحقیق وتنقیح کا حق ادا کردیا۔ (۱)

میں نے اس تحریر میں مولانا موصوف کے مقالے اور اس پروارد ہونے والے اشکالات اور تائیدی آراءکا جائزہ لیا ہے تاکہ مسئلے کا ہمہ پہلو تصویرسامنے آسکے۔

مولانا محمد طاسین کی رائے پر تبصرہ:

مولانا طاسین نے کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین کو ناجائز قرار دیا۔ ان کی رائے یہ ہے کہ قرض لیتے وقت نوٹوں کاجتنا سونا بنتا ہے ادائیگی کے وقت اتنا سونا واپس کیا جائے تاکہ افراط طرز کی وجہ سے کرنسی کی قیمت میں کمی کی تلافی کی جاسکے۔ مولانا موصوف نے مولانا طاسین کی رائے سے اختلاف کیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ ان کی رائے شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔ (۲)

کاغذی کرنسی کاتاریخی پس منظر:

مولانا موصوف کاغذی کرنسی کی تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”کاغذی نوٹوں کی ابتدا ءتو اصل میں ان رسیدوں سے ہوئی تھی جو صراف اور سنار ان لوگوں کے نام بطوروثیقہ جاری کرتے تھے۔ جو سونے چاندی کے سکے ان کے پاس بطور امانت رکھتے تھے۔ لیکن مختلف مراحل طے کر کے آج یہ کرنسی نوٹ زر قانونی یعنی ثمن عرفی اور مال متقوم کا مقام حاصل کر چکے ہیں۔اب ان کا حکم وہی ہے جو فقہی اصطلاح میں ”فلو س نافقہ“ کا ہے یعنی دھات کے ان سکوں کا جو معاشرے میں بطور ثمن مروج ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ ابتداءمیں یہ نوٹ بھی صرافوں کی جاری کردہ رسیدوں کی طرح سند وثیقہ اور دستاویز کی حیثیت رکھتے تھے۔ جسے دکھا کر بینک سے سونا چاندی حاصل کی جا سکتی تھی۔ اس کے لین دین پر حوالہ کے احکام جاری ہوتے تھے لیکن کافی مدت سے یہ نوٹ ارتقاءکر کے سونے کی جگہ لے چکے ہیں اور قانونا وعر فا بطور ثمن رائج ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو کیش رقم کہا جاتا ہے۔ مگر چیک اور دوسری مالی دستاویزات کو کیش نہیں کہا جاتا۔ اسی کرنسی کے ذریعے دنیا بھر میں خرید و فروخت ہوتی ہے۔ انہی سے مزدوروں کو اجرتیں دی جاتی ہیں۔ انہی نوٹوں سے لوگ بچتیں کرتے ہیں۔ عملاً ان نقود ورقیہ کا سونے کے ساتھ کوئی قانونی تعلق اب باقی نہیں رہا۔ بینک اب ان نوٹوں کے بدلے میں سونا چاندی دینے کے پابند نہیں ہیں۔ (۳)

فقہاءکے نزدیک مال کی تعریف:

فقہا نے مال کی قانونی و فقہی تعریف یوں بیان کی ہے، موصوف نے

اسے نقل کیاہے ابن عابد ین شامی اور ابن نجیم مصری مال کی تعریف میں لکھتے ہیں:

مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالیة تثبت بتمول الناس کافة اوبعضهم وفی الحاوی القدسی المال اسم لغیر الادمی خلق لمصالح الادمی وامکن احرازه والتصرف فیه علیٰ وجه الاختیار۔ (۴)

”مال ہر وہ چیز ہے جس کی طرف لوگوں کی طبیعت راغب ہو اور اسے مستقبل کے لئے بچا کر ذخیرہ کیا جا سکتا ہو ۔کسی چیز کی مالیت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگوں نے یا کچھ لوگوں نے اسے مال بنا دیا ہو۔ حاوی مقدسی میں ہے کہ مال ہر اس چیز کا نام ہے جو انسانی ضرورت پوری کرنے کے لئے پیداکی گئی ہو۔ اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہواور انسان اس میں اپنے اختیار سے تصرف کرسکتا ہو۔ “

ترکی کی عثمانی خلافت کی تیار کردہ کتاب ”المجلہ“ کی دفعہ ۶۶۱ میں بھی مال کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

”جس چیز کو لوگ اپنے کاروبار اور لین دین میں استعمال کرتے ہوں وہ لوگوں میں طبعاً مرغوب ہو اور اسے آئندہ کی ضرورت کے لئے ذخیرہ کیا جا سکتا ہو وہ مال ہے۔“ (۵)

موصوف کے بقول جدید مالی قانو ن میں بھی مال ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی قیمت ہو۔ (۶)

موصوف آگے لکھتے ہیں ۔

”مذکورہ فقہی تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو جس طرح اشیائے صرف اور سونا چاندی مال ہے اسی طرح دہاتی سکے اور کرنسی نوٹ بھی مال ہیں اس لئے کہ دونوں لوگوں کو مرغوب ہیں دونوں کاروبار میں مروج ہیں اوردونوں کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ سونا اور چاندی ثمن خلقی ہیں اور کرنسی نوٹ ثمن عرفی ہیں۔“ (۷)

وجوب زکوٰۃ میں ثمن عرفی اور ثمن خلقی کاحکم:

ثمن عرفی وجوب زکوٰۃ اور دوسرے احکام میں ثمن خلقی کی طرح ہے۔ اس بارے میں مسند احمد کے مرتب اور شارح شیخ احمد البناءفرماتے ہیں۔

ان حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوٰۃ سواءبسواءلانه یتعامل به کالنقدین تماماولان مالکه یمکنه صرفة وقضاءمصالحه به فی ای وقت شائ۔ (۸)

”زکوٰۃ کے بارے میں کاغذی نوٹوں کا وہی حکم ہے جو سونے اور چاندی کا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے سونے چاندی کی طرح ہر قسم کا لین دین ہوتا اور کرنسی کا مالک جب چاہتا ہے اس سے اپنی ضرورت پوری کر

سکتا ہے۔"

ڈاکٹر وھبتہ الزحیلی لکھتے ہیں۔

والحق وجوب الزکوٰۃ فیھا لانھا اصبحت ہی اثمان الاشیاءوامتنع التعامل بالذھب۔۔۔۔۔۔فینتفع بھا حاملھا فعلا کما ینتفع التعامل بالذھب الذی اعتبرثمنا لاشیاء(۹)

"حق یہی ہے کہ کاغذی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے اس لئے کہ اب یہ چیزوں کی قیمت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور سونے کے ذریعے خریدوفروخت اب بند ہو چکی ہے ۔جس کے پاس یہ کرنسی نوٹ ہوں وہ ان کے ذریعے اسی طرح نفع اٹھاتا ہے۔ جس طرح کہ سونے سے نفع اٹھاتا ہے۔ جو اشیاءصر ف کی قیمتوں کا معیار ہے ۔"

مولانا گوہررحمان مال کی تقسیم کے بارے میں مولانا محمد طاسین کی رائے اس طرح نقل کرتے ہیں:

"ایک ہے "حقیقی مال "اور دوسرا ہے "حکمی مال" حقیقی مال کی تعریف میں وہ چیزیں آتی ہیں جو انسان کی طبعی اور جبلی ضرورت پوری کرتی ہوں جیسے کھانے، پینے، پہننے، پوشنے اور رہنے سہنے سے متعلق چیزیں جو بازار میں خریدی اور فروخت کی جاتی ہےں اور حکمی مال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی ذات کے اندر مذکورہ صلاحیتیں نہ پائی جاتی ہو۔ مگر معاشرے نے ان کو حقیقی مال کے تبادلے کا ذریعہ بنایا ہو۔ جیسی کرنسی کے نوٹ جو اپنے اندر مالیت نہیں رکھتے لیکن حکومت نے ان کو سونے و چاندی کی طرح قانوناو عرفا ثمن قرار دیا ہے۔ "(۱۰)

حقیقی مال، اشیائے صرف اور اثمان الاشیاء:

یہاں پر مولانا موصوف مولانا طاسین کے مال کی تعریف پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر یہ شرط لگاد ی جائے کہ حقیقی مال کھانے پینے اور رہنے سہنے کی کوئی چیز ہو تو پھر سونا چاندی بھی حقیقی مال کی تعریف سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ یہ کھانے پینے او ر استعمال کی چیز نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہےں۔ آج کل تو ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ کرنسی کے نوٹ ہیں اور سونا چاندی کے سکے تو اب نایاب ہو چکے ہیں۔ لہذا اشیاءاستعمال بھی حقیقی مال ہیں اور اثمان الاشیاءبھی حقیقی مال ہیں۔ اگر حقیقی مال صرف اشیاءضرورت کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے تو پھر اثمان الاشیاءپر حقیقی مال کی تعریف صادق نہیں آئے گی۔ حالانکہ یہ تو بالا جماع اموال حقیقہ میں شامل ہیں۔" (۱۱)

کرنسی نوٹوں کا قرض لین دین:

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ کرنسی نوٹ زر قانونی

اور ثمن عرفی ہیں اور ان پر مال کی تعریف ہر لحاظ سے صادق آتی ہے۔ لیکن یہانپر یہ سوال بھی پیدا ہوتاہے کہ کیا ان کا قرض کا لین دین جائز ہے؟ یا ان کے قرض لین دین کے لئے سونے کو بنیاد بنانا ضروری ہے؟

اس سوال کے جواب میں مولانا گوہر رحمان مولانا محمد طاسین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کرنسی نوٹوں کے قرض کا معاملہ جب کہ وہ طویل المیعاد ہو اور اس میں یہ طے ہو کہ قرض کے طور پر جتنے نوٹ لئے دیئے گئے ہیں بوقت ادائیگی اتنے ہی نوٹ لئے دیئے جائیں گے ۔شرعاً نا جائز معاملہ قرار پاتا ہے۔"

انہوں نے اس رائے کی جو دلیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال کی مثل کاحقدار ہوتا ہے اور کرنسی نوٹوں میں مثلیت کا مطلب ہے قوت خرید میں برابری جو کرنسی نوٹوں میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آج کے نوٹ قوت خرید میں ان نوٹوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو مثلاً پانچ سال پہلے قرض کے طور پر لئے دیئے تھے۔ لہذا اتنے ہی نوٹ واپس کرنا جتنے لئے تھے ۔ قرض دینے والے کی حق تلفی ہے اور ظلم ہے اور جو معاملہ ظلم و حق تلفی کا موجب ہو وہ باطل اور ناجائز ہوتا ہے۔ جب یہ معاملہ باطل ہے تو کیا کرنسی نوٹوں کے قرض لینے دینے کی کوئی جائز شکل بھی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مولاناطاسین نے یہ دیا ہے کہ نوٹ قرض دیتے وقت یہ معلوم کیا جائے کہ ان کے بدلے میں سونے کی کتنی مقدار ملتی ہے۔ پھر ادائیگی کے وقت نوٹوں کی مقدار سونے کی اس مقدار کی قیمت کے برابر ہونی چاہئے ،جو قرض لیتے وقت معلوم کر لی گئی تھی۔ مثلاً آج کسی کو ۵ ہزار روپیہ قرض دیا گیا۔ جس کے بدلے میں ایک تولہ سونا ملتا ہے۔ ایک سال بعد اگرایک تولہ سونا۶ ہزار روپیہ ہو تو ایک ہزار اضافہ دینا ہوگا اور یہ اضافہ ربا اس لئے نہیں ہے کہ ایک تولے کی قیمت کے برابر نو ٹ لئے گئے تھے۔"(۱۲)

کرنسی نوٹوں کو سونے سے نتھی کرنا سود:

مولانا گوہر رحمن نے کرنسی نوٹوں کو سونے سے نتھی کرنے کے مولانا محمدطاسین کی رائے پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اگر کرنسی نوٹوں کو سونے کے ساتھ نتھی کرنا تھا تو پھر سیدھے طریقے پر ایک تولہ سونا قرض دے کر ادائیگی کے وقت ایک تولہ سونا واپس لینے میں کیا رکاوٹ تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کی قرض لین دین کو سونے کی قیمت کا تابع بنانا سود کا دروازہ کھولنے اور اس کو شرعی جواز فراہم کرنے کی مترادف ہے۔ اسلئے کہ کرنسی نوٹوں کا کوئی قانونی تعلق اب سونے کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ یہ مستقل طور پر مال مثلی اور ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں تو اس حیلے کے ذریعے ایک ہزار دے کر ۶ ہزار لینا یا ۰۱ ہزار دے کر ۲۱ ہزار لینا ایک من گندم دے کر ڈیڑھ من لیناسود ہے

باقی رہی یہ بات کہ افراط زر کی وجہ سے نوٹوں کی قوت خرید میں کمی ہوتی ہے تو اس میں مقروض کا کوئی قصور تو نہیں ہے کہ اس پر کمی کی کی تلافی لازم کر دی جائے۔ اشیاءصرف کی قیمتوں میں اضافہ تو پیداوار کی کمی یا تاجروں کی پیدا کردہ مصنوعی قلت یا پھر حکومت کی بد انتظامی اور بدعنوانی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بینکوں کے سود کو حلال ٹھہرانے والوں کی بڑی دلیل یہ انفلیشن اور افراط زر کا بہانہ ہے جسے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں ماہرین کی آراءکی روشنی میں رد کر دیا گیا ۔" (۳۱)

اموال مثلیہ میں قرض لین دین کا جواز:

مولانا موصوف اس بارے میں لکھتے ہینکہ:

اموال مثلیہ میں قرض لین دین کے جواز کے مسئلے کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ معلوم کر لیا جائے کہ قرض کی فقہی تعریف کیا ہے اورقرض لین دین کس قسم کے اموال میں جائز ہے؟

قرض کی تعریف:

فقہ حنفی میں قرض کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ:

وہو عقد مخصوص یرد علیٰ دفع مال مثلی لأخر لیرد مثله وصح فی مثلی لاغیره ۔۔۔ کالمکیل والموزون والعددی المتقارب کالجوزوالبیض وحاصله ان المثلی مالا تتفاوت فی احاده ای تفاتا تختلف به القیمة فان نحوالجوز تتفاوت احادة تفاتا یسراً (۴۱)

" قرض ایک مخصوص قسم کا معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو مال مثلی دیتا ہے اور قرض لینے والا ادائیگی کے وقت اس مال کی مثل واپس کرتا ہے۔ یہ معاہدہ مال مثلی میں صحیح ہے اور غیر مثلی میں صحیح نہیں ہے۔ مال مثلی وہ ہوتا ہے جسے ماپا اور تولا جاسکتا ہو یا جس کی مقدار گننے سے معلوم کی جاسکتی ہو ا اس کی اکائیاں مقدار میں ایک دوسرے سے زیادہ متفاوت نہ ہوں۔ مثلاً اخروٹ اور انڈے وغیرہ ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مال مثلی ہراس مال کو کہا جاتا ہے جس کی اکائیوں میں ایسا فرق نہ ہو جس کی وجہ سے قیمتوں میں فرق آتا ہو۔اخروٹ جیسی چیزونمیں اگرچہ تھوڑا فرق ہوتا ہے لیکن اس کا قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ "

مولانا موصوف مذکورہ بالا فقہی جزئیہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

"درج بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہرقسم کے اموال مثلیہ میں قرض دینا اور لینا جائز ہے خواہ وہ کھانے پینے اور استعمال کی چیزیں ہوں یا ان چیزونکے خریدنے کا ذریعہ ہوں یعنی اثمان الاشیاۂ کرنسی نوٹ مال مثلی کی ایک قسم ہے ۔ اس کا لین دین گننے سے ہوتا ہے۔ نوٹ سارے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اس کی مالیت برابر ہوتی ہے ۔

مال مثلی کی تعریف میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی مالیت او ر قوت

خرید میں کمی بیشی نہ ہوئی ہو اس لئے قوت خرید میں کمی بیشی تو سونے چاندی کے سکوں اور گندم و چاول میں بھی ہوتی ہے۔ مگر ان کا قرض لین دین تو بالا جماع جائز ہے۔ اس طرح اس میں یہ شرط بھی کسی نے نہیں لگائی ہے کہ وہ اشیاءاستعمال ہوں یا اثمان خلقیہ ہوں صرف یہ شرط ہے کہ اس کا مثل موجود ہو اور نوٹوں کی مثل موجود ہے اورمروج ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سونے سے مربو ط کئے بغیر ان کا قرض لین دین باطل قرار دیا جائے۔"(۱۵)

قرض لینے دینے کیلئے مال مثلی کی شرط بھی صرف حنفیہ نے لگائی ورنہ باقی ائمہ کے نزدیک ہر اس چیز کا قرض لین دین جائز ہے جس کی خریدوفروخت کی جاتی ہو اور جس میں بیع سلم جائز ہو۔ (۱۶)

قرضوں کی بالمثل واپسی:

قرضوں کی بالمثل واپسی کے بارے میں موصوف لکھتے ہینکہ:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نقود ورقیہ یعنی کاغذی نوٹ اموال مثلیہ میں شامل ہیں اور ان کا قرض دینا اور لینا جائز ہے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ جس ملک کی کرنسی جتنی مقدارمیں لی گئی تھی۔ اسی ملک کی اتنی ہی کرنسی واپس لوٹانی پڑے گی۔ اس لئے کہ فقہ کامشہور قاعدہ ہے کہ:

الاقراض تقضی با مثلها(۱۷)

"یعنی قرضوں کی واپس بالمثل ہوتی ہے۔"

اموال مثلیہ کے قرض میں مالیت اور قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ کمیت اور نوعیت میں مثلیت اور برابری ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک من گندم قرض دی، جس کی قیمت دو سو روپے تھی مگر ادائیگی کے وقت اس کی قیمت ڈیڑھ سو روپیہ ہوگئی تو قرض دینے والا یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ مجھے دو سو رپے کی گندم دی جائے، یعنی من کے بدلے ڈیڑھ من دی جائے تمام ائمہ متفق ہیں کہ وہی ایک من گندم واپس کرنی ہوگی۔ اسی طرح کرنسی نوٹ بھی مال مثلی ہیں ۔ ان میں مالیت اور قوت خرید کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ "(۱۸)

مولانا موصوف فلوس کی تعریف، حیثیت اور فلوس کے قرض کے حکم کے بارے مینلکھتے ہیں ۔

فلوس کی تعریف:

فلوس جمع کثرت ہے فلس کی،فلوس کی تعریف یہ ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ وہ تمام دھاتی سکے فلوس ہیں، جن کو لوگوں نے ثمن قرار دیا ہو ۔ (۱۹)

فلوس کی تاریخی پس منظر:

فلو س اصل میں نادار اور تنگ دست لوگوں کیلئے تانبے، لوہے اور دوسرے دھاتوں سے بنائے جاتے تھے تاکہ وہ اپنی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں خرید سکیں۔ اس لئے کہ سونے چاندی کے سکے (دینار و درہم) زیادہ

مقدار میں خریداری کرنے کے لئے یا قیمتی چیزیں خریدنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ جو تنگ دست لوگوں کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے فقیر اور تنگ دست شخص کو مفلس کہتے ہیں یعنی فلوس والا شخص جس کے پاس درہم دینار یعنی سونے چاندی کے سکے نہ ہو ۔ (٢٠)

فلوس کی حیثیت:

فلوس دھاتی سکے جب تک بازار میں چل رہے ہوں ۔ اس وقت تک اس کی حیثیت ثمن کی ہوتی ہے اور جب یہ کاسد ہو جائیں یعنی ان کا چلن ختم ہو جائے تو پھر ان کی حیثیت عروض یعنی سامان تجارت کی ہوجاتی ہے۔ جیسے تانبے، لوہا اور سلور وغیرہ ۔(١٢)

فلوس کے قرض کے بارے میں فقہاءاسلام کی رائے:

یہاں پر مولانا موصوف نے زیر بحث مسئلے کے مرکزی نکتے یعنی فلوس کے قرض کے بارے میں قیمت خرید میں کمی و بیشی کے بارے مینفقہاءکی آراءاور امام ابو یوسف کی اختلافی رائے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

فلوس کے بارے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی قیمت اور قوت خرید میں کمی بیشی ہو جائے مگر مارکیٹ میں بطور ثمن چل رہے ہوں تو کیا اس تغیر کا اثر قرض کی مقدار پر پڑتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی ، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ جنلی چاروں کی مستند کتابوں بدائع الصناع، المدونہ، شرح المہذب اور المغنی میں صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ دائیگی بالمثل ضروری ہے یعنی جتنے فلوس بطور ثمن یا بطور قرض واجب الادا تھے۔ اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے اور قوت خرید میں کمی بیشی کی وجہ سے واجب الادا فلوس کی مقدار میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔ (٢٢)

ائمہ اربعہ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس جب تک کاسد نہ ہوئے ہوں بلکہ بازار میں بطور ثمن مروج ہوں۔ اس وقت تک یہ اموال مثلیہ مینشامل ہیں اور اموال مثلیہ میں قیمت اور مالیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مقدار اور نوعیت کا اعتبار ہوتا ہے ۔ مثلاً کھجور مال مثلی ہے تو بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ ان میں مثلیت اور برابری مقدار میں ضروری ہے۔ اگرچہ قیمت اور مالیت میں کمی بیشی موجود ہو۔مذکورہ حدیث کے الفاظ یہ ہےں:

> عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال کنا نرزق تمر الجمع وھو الخلط من التمر وکنا تبیع صاعین بصاع فقال النبیﷺ لاصاعین بصاعٍ ولا درہمین بدرہم۔(٢٣)

حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ ہم کو سب قسم کی ملی جلی کجھور ملاکرتی اور ہم اس کے دو صاع دے کر ایک صاع اچھی کجھور لیتے

تھے تو رسول اللہ نے گھٹیا درجے کے کجھور کے دو صاع کو اعلیٰ درجے کے کھجور کے ایک صاع کے بدلے اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے بیچنے سے منع کردیا (حالانکہ دونوں کی قیمت میں نمایاں فرق تھا)۔
اس حدیث کی تشریح میں موصوف مزیدلکھتے ہیں کہ:
اس مضمون کے اور بھی احادیث مروی ہیں جن میں مثلیت مقدار میں معتبر ہے قیمت اور قوت خرید میں کمی بیشی کا اموال مثلیہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (۴۲)

قاضی ابو یوسف کی منفر درائے:

مولاناموصوف نے اس مسئلے میں امام ابو یوسف کی اختلافی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:
امام ابو حنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے اس مسئلے میں آخری رائے یہ بنی تھی کہ اگر فلوس کی قیمت میں کمی بیشی ہوگئی ہو تو قرض کی ادائیگی فلوس کی اس قیمت کے مطابق کی جانی چاہیے جو قرض لینے کے وقت یا بیع کے وقت تھی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فلوس در اصل درہم کی ریزگاری ہے اور ان کی بنیاد چاندی یا سونے کے سکے ہیں ۔مثلاً اگر درہم میں دس فلوس ہوں تو ایک فلوس درہم کا دسواں حصہ بنتا ہے تو دس فلوس قرض لینا دراصل ایک درہم قرض لینے کے مترادف ہے۔ جب قیمت میں دس فیصد کی کمی ہوگئی ہو تواس صورت میں دس فلوس ہی واپس کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ درہم کا دسواں حصہ کم دیا گیا اور گیارہ فلوس دینے کی معنی یہ ہوں گے کہ پورا درہم جو لیا گیا تھا واپس کیا گیا ہے۔ (۵۲)

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک:

اس بارے میں موصوف نے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
اگرچہ امام ابو حنیفہ کا اپنا مسلک ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق ہے لیکن ابن عابدین شامی متوفی ۲۵۲۱ ھ نے لکھا ہے کہ، فتویٰ ابویوسف کے قو ل پر دیا گیا ہے۔ البتہ مشائخ حنفیہ میں سے قاضی خان نے ابو حنفیہ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ قیمت میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ جتنے فلوس دیئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے ۔(۶۲)(

امام ابویوسفؒ کی رائے کی تاویل:

مولانا موصوف نے امام ابو یوسفؒ کی رائے کی بہترین تاویل کی ہے ۔موصوف نے امام یوسف کی رائے کی تاویل کر کے ثابت کیا ہے کہ کرنسی کے نوٹوں کے معاملے مینمسئلے کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اس لئے اس کا حکم بھی بدل گیا ہے ۔ اس بارے میں وہ لکھتے ہینکہ:
حقیقت یہ ہے کہ ابویوسفؒ نے جس بنیاد پر ادائیگی بالقیمت کا فتویٰ دیا تھا وہ بنیاد یہ تھی کہ فلوس درہم و دینار کی ریز گاری تھی اور درہم مثلاً کبھی

دس فلوس کا ہو جاتا تھا اور کبھی گیارہ فلوس تک بڑھ جاتاتھا۔ لیکن یہ بنیاد اب ختم ہو گئی ہے کیونکہ کرنسی نوٹ اب نہ درہم و دینار کی ریزگاری ہے اور نہ یہ اب سونے اور چاندی کی دستاویز اور وثیقہ ہیں۔ بلکہ مستقل طور پر ثمن عرفی اور مال مثلی ہیں اور جب تک یہ منسوخ نہ ہوئے ہوں اور ان کا چلن کلی طور پر ختم نہ ہوا ہو اس وقت تک ان کی ادائیگی بالمثل ضروری ہے کہ جتنے اور جیسے دیئے تھے اتنے ہی اس جنس سے واپس کرنے ہوں گے۔ (۷۲)

مولانا موصوف نے مولانا محمد طاسین مرحوم کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ کرنسی نوٹ ارتقائی مراحل کے بعد آج کل زرقانونی یعنی ثمن عرفی اور مال متقوم کا مقام حاصل کر چکے ہیں اور سونے چاندی کی جگہ لے چکے ہیں اور قانونا وعر فا بطور ثمن رائج ہو چکے ہیں۔ اسی کے ذریعے دنیابھر میں خریدوفروخت ہوتی ہے۔ اب ان نقودورقیہ کا سونے کے ساتھ عملاً کوئی قانونی تعلق باقی نہیں رہا۔ موصوف نے قدیم و جدید فقہاءکے اقوال سے مال کی جو تعریف بیان کی ہے موجودہ کرنسی نوٹ اس تعریف پر پوری طرح صادق آتی ہیں ۔

موصوف نے ڈاکٹر و ھبة الزحیلی کے حوالہ سے بھی ثابت کیا ہے کہ کاغذی نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے، اس لئے کہ اب یہ چیزوں کی قیمت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور سونے کے ذریعے خریدوفروخت اب بند ہو چکی ہے۔

اسی طرح موصوف نے کرنسی نوٹوں کی قرض لین دین کو مقدار کی بجائے قیمت اور سونے سے جوڑنے کے مولانا محمد طاسین کے رائے کو صریح سود قرار دیا اور کہا کہ یہ سود کا دروازہ کھولنے اور اسے شرعی جواز فراہم کرنے کے مترادف ہے۔ موصوف کی رائے میں قرض لین دین اموال مثلیہ میں جائز ہیں لہذا جتنے نوٹ لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے اور کسی قسم کی کمی و بیشی سود ہوگی۔ اس مسئلے میں خرم سلیم چھتری والا کے اعتراضات بھی قریب قریب وہی تھے جن کے جوابات مولانا محمد طاسین کی رائے پر تبصرہ میں آچکے ہیں۔ لہذا اس کویہاں پر دہرانے کی بظاہر ضرورت نہیں ہے۔

مولاناموصوف نے اپنی رائے کی تائید میں اور کرنسی کی شرعی حیثیت کے بارے میں سعودی عرب کے کبار العماءاور مجمع الفقہ اسلامی، فقہ اکیڈمی انڈیا، مولانا تقی عثمانی کی آراء نقل کی ہیں ـذیل میں ہم ان کی آراءکا خلاصہ درج کر رہے ہیں۔

سعودی عرب کے کبار العلماءاور مجمع الفقہ الاسلامی کی رائے:

سعودی عرب کے کبار العلماءاور مجمع الفقہ اسلامی کی آراءکا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ

ادھار یا نقد خریدو فروخت جائز نہ ہوگی۔ مثلاً ۱۵کاغذی ریال کے بدلے۱۴ کاغذی ریال لینا جائز نہ ہوگا۔

۲۔ مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ خریدو فروخت جائز ہوگی۔ مثلاً ایک امریکی ڈالر ۵ سعودی ریالوں یااس سے کم و بیش کے عوض بیچنا جائز ہوگا بشرطیکہ دست بدست ہو۔

۳۔ کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ بھی فرض ہوگی جب ان کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کے برابر ہو جائے یا سامان تجارت کے ساتھ مل کر یہ نصاب کو پہنچ جائیں۔

۴۔ کرنسی نوٹوں کو بیع سلم اور دوسرے شراکتی معاملات میں را س المال قرار دینا جائز ہوگا۔

۵۔ ایک ملک کی کرنسی نوٹوں میںربا الفضل اور ربا النسیہ کی دونوں قسمیں جاری ہوں گی جیسے سونے چاندی اور دیگر معدنی کرنسی میں جاری ہوتے ہیں۔ (۲۸)

فقہ اکیڈمی انڈیا کی رائے:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے دوسرے فقہی سیمینار ۸ تا۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ میں پہلا زیر غور مسئلہ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں شرکاءسیمینار کا متفقہ فیصلہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ کرنسی نوٹ سند و حوالہ نہیں بلکہ ثمن ہے۔ عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زرخلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی و بیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار ۔

۲۔ دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

۳۔ نوٹوں پر زکوٰۃ لازم ہوگی اورنوٹوں میںزکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔ (۲۹)

مولانا تقی عثمانی کی رائے:

مولانا تقی عثمانی شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی، نائب صدر اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے کاغذی کرنسی کی حیثیت یہ بتائی کہ ابتداءمیں یہ سند اور حوالہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اب یہ مستقل ثمن عرفی اور زرقانونی کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ انہوںنے احادیث نبویہ اور فقہی نصوص کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اقراض و دیون میں ادائیگی بالمثل ہوگی اور مثلیت میں برابری مراد نہیں ہے۔ (۳۰)

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کا متفقہ فیصلہ:

مولانا تقی عثمانی نے اپنے مقالے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا متفقہ فیصلہ بھی نقل کیا ہے کہ قرضوں کے قیمتوں کے اشاریہ (انڈیکس) کے ساتھ ربط کے نظریہ کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (۱۳)

ادارہ اسلامی اقتصادیات اسلام آباد کے سیمینار کی قرار داد:

مولانا تقی عثمانی نے اپنے مقالے میں مذکورہ بالا سیمینا ر کے متفقہ قرار داد بھی نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''کرنسی نوٹ تمام معاملات میں نقد ین یعنی درہم اور دینار کی طرح ہے۔ (مثلاً سود جار ی ہونے، زکوۃ واجب ہونے، بیع سلم اور مضاربت و مشارکت میں راس المال بننے میں) سود اور قرض کی احادیث میں جو مثلیت اور برابری ضروری قرار دی گئی ہے۔ اس سے شرعی جنس اور قدر یعنی وزن ناپ اور عدد میں برابری مرا د ہے، قیمت میں برابری مراد نہیں اوریہ بات ان احادیث کے ذریعے پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔ جو اموال ربویہ کے تبادلے میں عمدہ اور گھٹیا ہونے کے وصف کو غیر معتبر قرار دیتی ہیں اور اسی پر امت کا اجتماع ہے اور اسی پر عمل جاری ہے۔ دیون چاہے وہ کسی بھی قسم کے ہوں، ان کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ منسلک کر دینا جائز نہیں کہ ان کو کسی سامان کے ساتھ منسلک کر کے یہ شرط ٹھہرائیں کہ مدیوں ادائیگی کے وقت اس سامان کی قیمت موجودہ کرنسی میں ادا کرے گا۔ (۲۳)(

مذکورہ بالا آراءنقل کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اشیاءصرف کی قیمتوں کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں ہے تو سونے کی قیمت کے حساب سے ادائیگی بھی جائز نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ کاغذی نوٹ ثمن عرفی اور زر قانونی ہونے کی وجہ سے سونے چاندی اور دیگر اموال ربو یہ کی طرح ہیں اور اموال ربویہ میں عمدہ اور گھٹیا اور قیمتوں کی اتار چڑھاؤ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

درج بالا نتائج سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض دیئے گئے یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر عائد کئے گئے کرنسی نوٹوں کی مقدار میں سونے یا اشیاءصرف کی قیمتوں کے حساب سے اضافہ لینا دینا اسی طرح کا سود ہے جس طرح کہ سونے یا چاندی کی طے شدہ مقدار پر اضافہ لینا دینا سود اور ربا ہے اس لئے کہ دونوں اثمان ہیں ایک خلقی اور دوسرا عرفی۔ (۳۳)(

علامہ غلام رسول سعیدی کی اختلافی رائے اور مولانا گوہر رحمن کا جواب:

موصوف نے شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، دارالعلوم نعیمہ کراچی کے اختلافی رائے بھی نقل کی ہے:

'' ان کی پہلی رائے یہ تھی کہ اگر قرض میں پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ معیار سونا ہوگا تو واپسی کے وقت سونے کی قیمت کے حساب سے ادائیگی ہوگی۔'' (۴۳)

علامہ سعیدی نے اپنی تفسیر تبیان القرآن (جو شرح مسلم سے بعد میں لکھی گئی ہے) میں اپنی پہلی رائے سے رجوع کیااس لئے وہ لکھتے ہیں:

''کہ جو شخص کسی کو قرض دیتا ہے تو وہ اپنی رقم کو ڈالر مینمنتقل کر

کے قرض دے اور جتنے ڈالر دیئے ہوں اتنے ہی واپس لے لیں بعض علماءنے کہا ہے کہ اگر اس نے ملکی کرنسی میں قرض دیا تھا تو پھر بھی ادائیگی کے وقت ڈالر کے حساب سے واپسی ہو سکتی ہے۔ مثلاً قرض دیتے وقت ایک ہزار جتنے ڈالر کے مساوی تھے دس سال بعد اگر اتنے ڈالر کے دس ہزار وپے بنتے ہیں تو وہ دس ہزار روپے لے سکتا ہے ۔"(۵۳)

مولانا گوہر رحمن نے ان کی اس رائے کو سود قرار دیا:

اس بارے میں مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بہرحال ایک ہزار دے کر دس ہزار لے رہا ہے اور معنوی طور پر خواہ ان کی قدر برابر ہو لیکن ظاہری اور صوری طور پر اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں۔ افراط زر سے بچنے کے لئے ملکی کرنسی کو سونے چاندی سے بدل کر قرض دینا بھی جائز نہیں ہے ۔علامہ سعیدی نے اپنی پہلی رائے سے رجوع بھی اس لئے کیا کہ تفسیر لکھتے وقت ان کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی کہ دیون میں ادائیگی کے وقت قیمت معتبر نہیں ہوتی بلکہ جنس اور مقدار میں برابری معتبر ہوتی ہے اس لئے جتنے روپے دیئے تھے اتنے ہی واپس لینے ہوں گے اور جتنے ڈالر دیئے تھے اتنے ڈالر ہی واپس لینے ہوں گے اسی طرح اگر سونا دیا تھا تو اتنا ہی سونا واپس لینا ہوگا ۔" (۶۳)

علامہ سعیدی نے اپنی رائے اپنے مقالات میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

"اس کا حل یہ ہے کہ قرض دینے والا مقروض کو ایک ہزار روپے کرنسی کے بجائے ایک ہزار وپے کی کوئی جنس مثلاً سونا چاندی یا غلہ قرض دے اور دس سال بعد جتنا سونا چاندی یا غلہ قرض دیا تھا اتنا ہی واپس لے لے اس صورت میں قرض خواہ کوکوئی نقصان بھی نہیں ہوگا اور وہ سود کی لعنت سے بھی محفوظ رہے گا ۔"(۷۳)

خلاصہ کلام:

کرنسی کے مسئلے پر موصوف نے جو طویل بحث کی ہے اور قرآن و سنت جدید و قدیم فقہاءکے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ قرض کی واپسی بالمثل ضروری ہے اور سونے، چاندی وغیر ملکی کرنسی کے ساتھ جوڑنے سے سود لازم آتا ہے لہذا اس سے بچنا چاہئے ۔ اسی طرح موجودہ کرنسی نوٹ ہر لحاظ سے زر خلقی و ثمن عرفی ہیں اور سونے چاندی کے قائم مقام ہیں اور مال مثلی ہیں۔ مثلیت سے مراد مقدار اور وزن میں برابری ہے قیمت او رمالیت میں برابری قابل اعتبار نہیں ہے۔ موصوف کی رائے شریعت کے احکام کے مطابق ہے اور شریعت کی روح سے بھی ہم آہنگ ہے۔

عالم اسلام کی اجتماعی فقہی اداروں کی رائے بھی یہی ہے لہذا موصوف کی رائے ہر لحاظ سے مناسب اور قرین الی الصواب ہے۔ موصوف نے کرنسی کے مسئلے پر وارد ہونے والے اعتراضات و اشکالات کے بڑے معقول اور مدلل جوابات دیئے ہیں جن سے یقینا معترضین مطمئن ہو چکے ہونگے۔ سونے یا ڈالر کو معیار بنا کر قرض دینے اور واپس لینے کا تکلف سود کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ اس بار ے میں مولانا غلام رسول سعیدی کی رائے محل نظر ہے۔

کرنسی نوٹوں نے آج بلاشبہ ثمن خلقی، ثمن عرفی اور مال مثلی کی حیثیت اختیار کی ہے اور وہ سونے اور چاندی کے قائم مقام بن چکے ہیں ۔اس لئے سونے اور ڈالر میں قرض کا معاملہ طے کرنے اور قرض واپس کرنے کے شرائط فقہاءقدیم و جدید کے نزدیک سود کے مترادف ہیں۔ بلکہ بعض کے نزدیک صریح سود ہیں لہذا صحیح طریقہ یہی ہے کہ قرض لین دین کاغذی کرنسی ہی میں کیا جائے۔ اور شرعی لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قدر میں کمی بیشی حکومتوں کے غلط معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ہے، کیونکہ آج بھی بہتر معاشی پالیسیوں کی وجہ سے اکثر ممالک کی کرنسی کی قدر اپنے مقام پر برسوں برقرار رہتی ہے۔ لہذا اس کا حل یہ ہے کہ معاشی پالیسیوں کو متوازن بنایا جائے۔ دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز بنانے کی بجائے اس کی منصفانہ تقسیم کو ممکن بنایا جائے ،تو پھرقیمتوں میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ رک جائے گا۔ یہ تو سرمایہ داروں کی راتوں رات امیر بننے کی ہوس ہی ہے جس کی وجہ سے وہ ذخیرہ اندوزی کر کے اشیاءکو مارکیٹ سے رو ک کر عارضی قلت پیدا کر کے قیمتوں کو چڑھا دیتے ہیں، ورنہ اگر معمول کی معاشی سرگرمیاں جاری ہوں اور حکومت قیمتوں پر کنٹرول برقرار رکھے تو نہ تو قیمتوں میں غیر معمولی فرق آئے گا اور نہ کرنسی نوٹوں کی قدر متاثر ہوگی اور نہ قرض لین دین میں قرض واپسی کے وقت کمی بیشی کابڑا فرق سامنے آئے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ سود سے بچتے ہوئے کرنسی نوٹوں میں قرض کا لین دین کیا جائے البتہ مختلف ممالک کے کرنسی نوٹ مختلف اجناس ہیں جن کے خریدو فروخت میں فرق رکھنے کو فقہاءنے جائز قرار دیا ہے۔

اس بارے میں موصوف کی رائے بظاہر صائب اور درست ہے اور تحقیق پر مبنی ہے۔اور قدیم وجدید فقہاءاور فقہی اداروں کی رائے سے موافق بھی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱ مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات، مکتبہ تفہیم القرآن مردان، اگست۲۰۰۲ئ، ۲۳۳،۹۴۳،۱۵۳،۱۷۳

۲ ایضاً، ص۲۷۳ تا ۳۸۳

۳ ایضاً ، ص۲۷۳،۳۷۳

۴ ابن نجیم، زین العابدین بن عابدین بن محمدالحنفی مصری،البحرالرائق شرح کنزالدقائق،امیرحمزہ کتب خانہ کوئٹہ،(تاریخ اشاعت درج نہیں)،ج۵،ص۷۷۲، و ابن عابدین محمدامین ، ردالمحتارعلیٰ درالمختار، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، الطبعة الاولیٰ ۱۲۴۱ھ، ج۴،ص۳۰۴

۵ المجلة الاحکام العدلیہ،نورمحمدکتب خانہ کراچی،(تاریخ اشاعت درج نہیں)، دفعہ ۶۶۱

۶ بحوالہ سابق، مولانا گوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات، ص۴۷۳

۷ ایضاً ، ص۴۷۳

۸ شیخ احمدالبنا، بلوغ الامانی شرح فتح الربانی، بیت الافکار الدولی ،اردن،طبع۲۰۰۵ئ،ج۱،ص۲۹۲۱

۹ ڈاکٹروھبة الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،اکتوبر۲۰۰۶ئ،ج۲،ص۲۷۷

۱۰ بحوالہ سابق،مولاناگوہر رحمان،حرمت سودپر عدالتی بیانات،۵۷۳،۶۷۳
۱۱ ایضاً، ص۶۷۳،۷۷۳
۱۲ ایضاً،ص ۸۷۳
۱۳ ایضاً،ص۸۷۳،۹۷۳
۱۴ الحصکفی،علاؤالدین،محمدبن علی،الدرالمختارشرح تنویرالابصار،باب المرابحہ،فصل فی القراض،دارالفکربیروت،الطبعة الثانیہ۱۳۸۶ھ/۱۹۹۶ئ،ج۴،ص۷۳۲
۱۵ بحوالہ سابق ، مولاناگوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات،ص۰۸۳،۱۸۳
۱۶ ابن قدامہ ،ابومحمدعبداللہ ابن احمدابن محمد،المغنی،ادارة البحوث العلمیہ،ریاض، طبع۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ئ،ج۴، ص۳۳۳،۸۳۳
۱۷ بحوالہ سابق ،حصکفی،علاؤالدین محمدبن علی،الدرالمختارشرح تنویرالابصار،ج۴،ص۷۳۲
۱۸ بحوالہ سابق ، مولاناگوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات،ص۱۸۳،۲۸۳
۱۹ ایضاً،ص۶۸۳
۲۰ ایضاً، ص۶۸۳،۷۸۳
۲۱ ایضاً، ص۷۸۳
۲۲ ایضاً، ص۷۸۳
۲۳ بخاری، امام ابوعبداللہ محمدبن اسمٰعیل، صحیح بخاری،کتاب البیوع، باب بیع الخلط من التمر،اذان سحر پبلی کیشنز منصورہ لاہور، نومبر۲۰۰۴ئ،ج۱،ص۶۹۷
۲۴ بحوالہ سابق ، مولاناگوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات،ص۸۸۳
۲۵ ایضاً،ص۸۸۳
۲۶ ابن عابدین شامی،تنبیہ الرقود علیٰ احکام العقود، طبع کویت ،(تاریخ اشاعت درج نہیں)،ص۹۱ تا ۱۲
وبحوالہ سابق ، مولاناگوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات،ص۸۸۳
۲۷ بحوالہ سابق ، مولاناگوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات،ص۹۸۳
۲۸ فتاویٰ لجنة، دارالأصمہ،ریاض، طبعة الخامسة۱۴۲۷ھ،ج۳۱،ص۳۴۴،۴۴۴
۲۹ مجاہد الاسلام قاسمی، اہم فقہی فیصلے، ادارة القرآن کراچی، دسمبر ۱۹۹۷،ص۱۵،۴۱
۳۰ مولاناتقی عثمانی،فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشرزکراچی، (تاریخ اشاعت درج نہیں)ج۱،ص۳۱تا۸۷
۳۱ ایضاً، ج۱،ص۳۱ تا ۸۷
۳۲ ایضاً ج۱،ص۳۱ تا ۸۷
۳۳ بحوالہ سابق ، مولاناگوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات،ص۷۴۳ تا ۱۵۳
۳۴ علامہ غلام رسول سعیدی،شرح صحیح مسلم، فریدبک سٹال اردوبازار لاہور،ذیقعدہ۱۴۱۰ھ/جون۱۹۹۰، ج۴، ص۳۵۰،۸۴۳
۳۵ علامہ غلام رسول سعیدی،تفسیرتبیان القرآن، فریدبک سٹال اردوبازار لاہور،شوال۱۴۲۴ھ/دسمبر۲۰۰۳، ج۱،ص۱۰۳۱
۳۶ بحوالہ سابق ، مولاناگوہررحمان،حرمت سودپرعدالتی بیانات،ص۳۵۲،۱۵۳
۳۷ علامہ غلام رسول سعیدی،مقالات سعیدی،ضیاءالقرآن پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور، مارچ ۲۰۱۴، ص۴۳۷